© rasailojaraid.com

مولانا محمد جعفر پھلواروی

علّامہ کاشغری

علّامہ عبدالرحمٰن کاشغری ندوی کا شمار ان بدقسمت لوگوں میں ہے جو اپنی گوناگوں صلاحیتوں کے باوجود اس دنیا میں اپنا جائز مقام نہ پا سکے اور اپنی زندگی میں وہ شہرت نہ حاصل کر سکے جس کے واقعی وہ مستحق تھے۔ ایسے ہی لوگوں کو دیکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ محض شہرت انسانی عظمت کا معیار نہیں۔

علّامہ کاشغری نے یکم اپریل ۱۹۷۱ء کو وفات پائی۔ میں مرحوم کے بہت سے ایسے حالات سے واقف ہوں جن کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔ ندوۃ العلما کی طالب علمی کے زمانے میں یہی میرے دلسوز دوست تھے۔ کم و بیش پانچ سال ایک ہی بورڈنگ میں ہم دونوں رہے اور ایک ساتھ آخری درجے کا امتحان دیا اور ایک ساتھ سندِ فراغت حاصل کی۔ جب میں ۳۰ء میں کپورتھلہ آ گیا اور مرحوم کلکتہ چلے گئے تو ظاہری رفاقت ختم ہو گئی لیکن دلی انس اور زیادہ بڑھ گیا۔ انھوں نے اپنی کوئی بات مجھ سے کبھی نہ چھپائی۔ وہ مجھ سے اپنے دل کی وہ باتیں کہہ دیتے تھے جو کسی دوسرے کے سامنے کہنا پسند نہ کرتے تھے۔ انھیں مجھ پر ہر طرح کا وہ اعتماد تھا جو کسی مخلص کو اپنے سچے دوست پر ہو سکتا ہے۔ لکھنؤ سے جدا ہونے کے بعد میری ان کی دو ملاقاتیں کلکتہ میں اور دو ملاقاتیں ڈھاکہ میں ہوئیں۔

مرحوم کی زندگی کے بعض واقعات ایسے ہیں جن میں ان کے عزم کی پختگی، محنت و عرق ریزی، شہرت سے بے نیازی، علم کی طلب و حرص، اور تقوٰی و خدا پرستی کی بڑی واضح نشاندہی ہوتی ہے یہ کاشغر کے ایک مدرسے میں متوسط درجے کی کتابیں پڑھتے تھے۔ ان کے استاد کے مطالعے میں شرح وقایہ کا حاشیہ "عمدۃ الرعایہ" اور ہدایہ کا حاشیہ "سعایہ" رہتا تھا۔ اور یہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی بڑی تعریفیں کرتے تھے۔ ان کے یہ حاشیے دیکھ کر وہ کبھی کہتے کہ کاش! میں مولانا عبدالحیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے علم حاصل کرتا۔ استاد کی زبان سے یہ جملہ کئی بار سنا تو عبدالرحمٰن کاشغری کے دل میں ہندوستان آ کر مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے علم حاصل کرنے کا شوق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہوا۔ کاشغری صاحب کو یہ معلوم نہ تھا کہ مولانا عبدالحیؒ مدت ہوئی کاشغری صاحب کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکے ہیں۔ بہرکیف وہ اس اشتیاق میں چند ساتھیوں کو لے کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ایک گھوڑی بھی تھی، جس پر باری باری یہ اور اُن کے رفقائے سفر سوار ہوتے۔ بے چاری گھوڑی نو ۹ دن تک ان کا ساتھ دے سکی اور راستے ہی میں چل بسی۔ یہ نہایت کٹھن اور دشوار گزار راستوں سے پوچھتے پاچھتے ناک کی سیدھ میں چلتے رہے۔ دو ایک ساتھی بھی چل بسے۔ کہیں پہاڑ، کہیں میدان، کہیں جنگل، کہیں ریگستان، کہیں ندی نالہ کہیں برف کی تہیں، کہیں کھانا، کہیں فاقہ۔

غرض بڑی بڑی مصیبتوں سے کٹھن راستے طے کر کے یہ چترال پہنچے۔ کاشغری صاحب نے ایک عربی قصیدہ لکھ کر مہتر چترال کے پاس بھیج دیا، جس میں اپنے حصولِ علم کی خاطر یہ طویل سفر اختیار کرنے کا ذکر تھا۔ مہتر چترال نے یہ قصیدہ وطن کے بعض علما کو دکھایا تو وہ حیران رہ گئے اور اُن سب نے متفقہ سفارش کی کہ یہ جہاں پڑھنے کے لیے جانا چاہیں ان کو ضرور بھیج دیا جائے۔ اور یہ بھی کہا کہ اس قابلیت کے انسان کے لیے ندوۃ العلما لکھنؤ سے زیادہ موزوں کوئی جگہ نہیں۔ چنانچہ یہ لکھنؤ روانہ کر دیے گئے۔

اس سفرِ لکھنؤ میں کاشغری صاحب نے پہلی بار ریل دیکھی تھی۔ اس وقت ان کی حیرانی قابلِ دید تھی۔ کبھی ڈبے کے اندر کے برتھ، سیٹیں، پنکھے، قمقمے اور بیت الخلا دیکھتے اور کبھی نیچے اتر کر پلیٹ فارم پر ڈبوں کی لمبی قطار دیکھتے، کبھی گارڈ کے ڈبے کی طرف جاتے کبھی انجن کی طرف بھاگتے۔ ریلوے لائن بھی دیکھی اور گاڑی کے پہیے بھی دیکھے لیکن ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر اتنی وزنی اور لمبی گاڑی چلے گی کیسے۔ لیکن جب گاڑی واقعی چلی تو ان کو یقین آگیا کہ اتنی بڑی گاڑی واقعی چلتی ہے۔ اور بغیر گھوڑے اور بیل کے چلتی ہے۔ راستے میں پہاڑی سرنگ سے گاڑی گزری اور ڈبے کے اندر برقی روشنی ہو گئی تو ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور آگے کیا ہونے والا ہے۔ ایک پُل سے گاڑی گزری تو بڑی گہرائی میں نالہ بہتے دیکھ کر بہت زیادہ گھبرائے کہ اب کیا ہوگا۔ جب وہ دوسرے مسافروں کو دیکھتے تو کچھ غصہ آنے لگتا کہ میں تو وحشت زدہ ہو رہا ہوں اور یہ بے حس لوگ اطمینان سے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں ایک اور بات بھی سن لیجیے۔ علامہ کاشغری نے کبھی ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ پہلی بار انھوں نے جیراجپور (ضلع اعظم گڑھ) میں ہاتھی دیکھا جو کسی بارات میں آیا تھا۔ اس وقت انھوں نے ہر چہار جانب سے گھوم پھر کر ہاتھی کو دیکھا اور دیر تک دیکھتے رہے۔ یہ ہاتھی کو اور میں اُن کی حیرت و استعجاب کو دیکھتا رہا۔

ریل کا پہلا سفر کر کے یہ جب ندوۃ العلما لکھنؤ پہنچے تو اس وقت ان کا امتحان لیا گیا۔ اساتذہ نے کہا کہ ان میں آٹھویں یعنی آخری درجے کی استعداد موجود ہے لیکن یہ اصرار کر رہے تھے کہ میں تو پہلے درجے میں داخل ہوں گا۔ خیر بہت کہنے سننے کے بعد انھیں چھٹے درجے میں داخل کر لیا گیا۔

اس وقت یہ بہت ٹوٹی پھوٹی اردو بولتے تھے۔ ان کے پاس ایک مٹی کا لوٹا تھا۔ اتفاق سے وہ ٹوٹ گیا۔ یہ بورڈنگ ہاؤس کے نگران کے پاس گئے اور کہا: "مولوی صاحب ہمارا لوٹا مر گیا ہے دوسرا لوٹا دے دیجیے"۔ ان کا یہ جملہ سارے ندوے میں اس قدر مشہور ہو گیا کہ از راہِ لطف و مزاح لوگ اُن کے پاس بغرض تعزیت آنے لگے۔ کوئی کہتا: آپ کے لوٹے کی وفات کی خبر سن کر بڑا افسوس ہوا۔ کوئی پوچھتا: لوٹے کا کب انتقال پُرملال ہوا؟ کوئی کہتا: آپ کے لوٹے کو کیا بیماری تھی؟ کس کا علاج تھا؟ کون کون سی دوائیں پلاتے تھے؟ تجہیز و تکفین کا کیا انتظام کیا گیا؟ غرض کئی دن تک "لوٹا مر گیا" کے چرچے رہے اور بیچارے کاشغری صاحب سب کچھ سُن کر ہنس دیتے۔ ایک دن یہ میرے ساتھ تخمی آم کھا رہے تھے۔ گٹھلی میں ریشے بہت تھے جو بار بار ان کے دانتوں میں پھنس جاتے تھے۔ کہنے لگے۔ اس آم کا "رشتہ" بہت پھنستا ہے۔ اس وقت یہ کون کہہ سکتا تھا کہ یہی طالب علم اپنی مادری زبان (ترکی) کے علاوہ عربی، اردو، فارسی، انگریزی اور بنگلہ زبانوں پر عبور حاصل کرے گا!

ندوۃ العلما میں داخل ہونے کے کچھ دنوں کے بعد انھوں نے روزے رکھنے شروع کیے۔ انھوں نے کاشغر سے روانہ ہوتے وقت یہ منت مانی تھی کہ اگر میں ہندوستان پہنچ گیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ پورے ایک سال تک روزے رکھوں گا۔ آفرین صد آفرین اس کے عزم و استقامت پر کہ اس نے یکم محرم سے روزے شروع کیے تو دوسرے سال محرم کا چاند دیکھ کر اپنے روزے ختم کیے اور آخر اپنی منت پوری کر لی۔ اس دوران کئی بار ان کی طبیعت بری طرح خراب ہوئی لیکن اس مردِ خدا نے افطار کی طرف رخ بھی نہ کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سخت سے سخت موسم آتے بعض اوقات سحری بھی نصیب نہیں ہوئی۔ روزوں کی نقاہت میں بیماریوں کی نقاہت نے اور اضافہ کر دیا لیکن نہ تو پڑھائی میں کوئی کمی آئی اور نہ ایفلستے منّت کے عزم میں کوئی فرق پیدا ہوا۔ مسئلے کی فقہی موشگافیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف ایک چیز پہ نظر رکھیے۔ ہمت و عزم کی پختگی، استقامت، ثابت قدمی، ارادے کا عدم تزلزل، یہی تو وہ جوہر ہیں جو ایک طالب علم کی زندگی کو ثریا ئے کامرانی کی بلندیوں پہ پہنچا دیتے ہیں۔

ہم نے اپنی پوری زندگی میں ایسا محنتی طالب علم نہیں دیکھا ہے۔ محض امتحان میں اچھے نمبر لانے کے لیے تو سبھی محنت کر لیتے ہیں۔ لیکن علامہ کاشغری کی محنتِ شاقہ کا اصلی دَور ندوے سے فارغ ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ علم کی پیاس کبھی بجھا نہیں کرتی۔ انھوں نے ندوے ہی سے عربی ادب کی سند حاصل کی۔ مدرسۂ فرقانیہ لکھنؤ سے قرآءاتِ سبع کی سند حاصل کی۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کی ڈگری حاصل کی۔ ڈھاکے سے انگریزی کی ڈگری حاصل کی۔ لیکن محض ڈگریاں کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز اپنی محنت ہوتی ہے جو خود ڈگریوں کے لیے باعثِ فخر بن جاتی ہے۔ علامہ کاشغری نے فارسی اور بنگلہ زبانوں کی کوئی ڈگری نہیں لی تھی لیکن اپنی محنت سے یہ ساری زبانیں اس طرح سیکھ لیں جیسے مادری زبان ہو۔

اس کا اندازہ ایک کتابِ المفید سے ہو سکتا ہے۔ عربی زبان میں جتنے مولّد، معرّب اور دخیل الفاظ آج تک رائج ہیں۔ ان سب کو انھوں نے یکجا کر دیا ہے۔ لغاتِ جدیدہ کا اتنا بڑا ذخیرہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔

اس کے دو حصّے ہیں۔ پہلا حصّہ ۲۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں بہ ترتیبِ ہجا وہ تمام عربی الفاظ لکھ دیتے ہیں جو جدید عربی لغت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہر لفظ کے آگے بین القوسین لکھ دیا ہے کہ یہ لفظ مولّد ہے یا دخیل ہے یا معرّب ہے۔ پھر اس کا اُردو ترجمہ پھر انگریزی ترجمہ پھر بنگلہ ترجمہ لکھ دیا ہے۔ کہیں کہیں سمجھانے کے لیے تھوڑی تشریح بھی کر دی ہے۔ پھر آخر میں حوالہ مع صفحہ دے دیا ہے۔۔۔

مولّد اس لفظ کو کہتے ہیں جو ہے تو عربی ہی لفظ مگر اصل قدیم عربی میں ان معنوں میں مستعمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ تھا۔ مثلاً "دَبّابَۃ" عربی لفظ ہے۔ لغوی معنی ہیں بہت رینگنے والا۔ لیکن جدید لغت میں اس کے معنی ہیں ٹینک۔ پس ٹینک کے معنی میں لفظ دَبّابہ مولّد ہوا۔

دخیل اس لفظ کو کہتے ہیں جو کسی عجمی زبان مثلاً ترکی، فارسی، انگریزی، فرنچ وغیرہ سے عربی میں آگیا ہو اور مستعمل ہو گیا ہو۔ مثلاً جِرباء (گرگٹ) سریانی زبان سے عربی میں آیا ہے۔

معرّب وہ عربی عجمی لفظ ہے جس کو عربیا دیا گیا ہو۔ مثلاً ٹیلسکوپ کو عربی میں تلسکوب کہتے ہیں۔ یہ ٹیلسکوپ دراصل یونانی ہے۔ اس طرح تِلِغَرْیون معرّب ہے ٹیلیویژن کا۔

دوسرے حصے میں اردو الفاظ ہجائی ترتیب سے لکھے ہیں۔ اور پھر اس کے بیچے بنگلہ انگریزی اور عربی لفظ لکھ دیے ہیں۔ یہ گویا پہلے حصے کا عکس ہے۔ عربی لفظ معلوم ہو تو اس کا ترجمہ پہلے حصے میں دیکھ لیجیے اور اُردو لفظ کی عربی معلوم کرنی ہو تو دوسرا حصہ ملاحظہ کر لیجیے۔ یہ دوسرا حصہ ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ پھر آخر میں بنگلہ کے الفاظ کی ایک فہرست دے دی ہے۔ کہ جو شخص کسی بنگلہ لفظ کی عربی جاننا چاہے وہ سامنے کے دیے ہوئے حوالے سے اسی کتاب میں ڈھونڈلے یعنی فلاں صفحے کے پہلے یا دوسرے کالم میں اسے یہ بنگلہ لفظ اور اس کی عربی، اُردو اور انگریزی مل جائے گی۔ اس کے کل ۵۵ صفحات ہیں۔ اسے کتاب المفید کا تیسرا حصہ سمجھنا چاہیے۔ یہ کل کتاب ۱۰۵۷ صفحات کی ایک مجلد شکل میں ہے۔ اس پر مزید ایک صفحہ بنگلہ زبان میں ہے جو مولانا اکرم خان کے قلم سے بطور تعارف ہے۔ پھر چار صفحات کا ایک پیش لفظ ڈاکٹر محمود حسن سابق وائس چانسلر ڈھاکہ یونیورسٹی کے قلم سے انگریزی زبان میں ہے۔ پھر ایک مقدمہ عربی زبان میں پروفیسر عبداللہ ازہری قادری کے قلم سے پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد آخر میں خود مؤلف المفید علامہ کاشغری کے قلم سے عربی میں چار صفحات کا ایک تعارف نامہ ہے۔ یہ چودہ ۱۴ صفحے ملا کر پوری کتاب ۱۰۷۱ صفحوں کی ہے۔ ہر صفحے میں دو کالم ہیں۔

اس کے مطالعے سے ایک بات تو صاف نظر آتی ہے کہ اس کی تصحیح میں کمال درجے کی احتیاط برتی گئی ہے۔ ٹائپ نہیں ہے لیکن بہت صاف ستھری تحریر ہے۔ ایک ایک حرکت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نقطے کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ دوسری بات جو اس کے مطالعے سے واضح ہوتی ہے وہ مؤلّف کی وسعتِ مطالعہ ہے۔ عربی لُغت تو شاید ہی کوئی رہ گیا ہو۔ اس کے علاوہ ترکی فارسی، انگریزی اور بنگلہ لغات کو بھی چھان ڈالا ہے اور لغت کے علاوہ ادب، تفسیر، اخبار، رسالے وغیرہ سے ڈھونڈ کر الفاظ نکالے ہیں۔ مؤلف کی محنت اور عرق ریزی کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے اس قسم کی تالیف میں اپنی عمر صرف کر دی ہو۔

یہ مؤلفِ علّام کا صرف ایک کارنامہ ہے۔ یہ کتاب انھوں نے مجھے خود ڈھاکہ میں پیش کی تھی جس پر ان کے قلم سے یہ تحریر ہے:

ذکری و ودّ و اخلاص للفاضل العلامۃ السید جعفر میاں من صدیقہ الفقیر الی اللہ عبدالرحمٰن الکاشغری الندوی۔

۶/۸/۱۹۶۳ م

ڈھاکہ

یہ میری ان کی آخری ملاقات تھی لیکن ان کی یہ یادگار ہمیشہ میرے ساتھ رہے گی۔ وہ میرے دل سے فراموش نہ ہو سکیں گے۔ ان کی ایک ایک بات اور ایک ایک ادا یاد آتی رہے گی۔ مجھے صدمہ صرف ان کی جدائی کا نہیں۔ اس کا صدمہ ہے یہ المفید ان کی جس ضخیم تالیف کا فقط ایک حصّہ ہے وہ ان کی زندگی میں کیوں نہ شائع ہو گئی۔ اور اب خدا جانے میری زندگی میں وہ منظرِ عام پر آئے گی یا نہیں؟ ان کی چھوٹی بڑی تصنیفات تو اور بھی ہیں۔ لکھنؤ کی زندگی ہی سے ان کی تصانیف کا آغاز ہو چکا تھا۔

ان کا ایک خاص کمال یہ تھا کہ نثر سے زیادہ نظم لکھنا اُن کے لیے آسان تھا۔ جو چاہیے مضمون دے دیجیے اور تھوڑی دیر میں برجستہ عربی قصیدہ لے لیجیے۔ عربی لغات اور صلات کے تو وہ حافظ تھے۔ لیکن قیود و عروض میں رہ کر بے تکان عربی اشعار لکھ دینا بھی ان کے لیے بہت آسان تھا۔

ہاں تو کہہ یہ رہا تھا کہ یہ لغت المفید ان کے ایک بڑے لُغت کا حصّہ ہے۔ وہ منتخب النفائس کی طرح کا ایک ایسا لغت سن ۲۴، ۲۵ء سے لکھ رہے تھے جس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُردو کے تمام الفاظ جو اُردو لغت میں موجود ہیں آجائیں اور ان کے لیے عربی کے جو الفاظ ہیں وہ لکھ دیے جائیں جن میں مترادفات کا فرق بھی واضح کر دیا جائے ۔ اس کے علاوہ اُردو کے جو محاورات ہیں ان کی عربی بھی لکھ دی جاتے ۔ اس میں لغات قدیمہ اور لغاتِ جدیدہ سب لکھ دیے جائیں ۔ یہ کام بڑے جان جوکھوں کا تھا لیکن وہ اللہ کا بندہ دن رات اس دھن میں لگا رہتا تھا ۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے لکھنؤ میں ان سے پوچھا کہ آپ نے اپنی کتاب میں "بِسہری" کا لفظ لکھا ہے یا نہیں ؟ کہنے لگے مجھے یہ لفظ ہی نہیں معلوم ۔ پھر ایک اُردو لغت نکال کر یہ لفظ دیکھا جس میں لکھا تھا کہ یہ ایک خاص قسم کا زخم ہوتا ہے جو عموماً انگوٹھے میں ہوتا ہے ۔ انھوں نے یہ لفظ لکھ لیا تو میں نے کہا : اسے عربی میں شوکۃ الیھود اور الشوکۃ الیھودیہ بھی کہتے ہیں ۔ انھوں نے پہلے عربی لغت میں ـــ غالباً المنجد میں ـــ یہ لفظ دیکھ کر تصدیق کی اور فوراً اپنی کتاب میں یہ لفظ لکھ لیا ۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ مجھے لفظ معلوم تھا کیونکہ یہ مرض میں جھیل چکا تھا ۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میرے علم کو ان کے علم سے اتنی نسبت بھی نہ تھی جتنی ایک اور ریلیں میں ہوتی ہے ۔

معلوم نہیں مرحوم کاشغری صاحب کے مسوّدات و مبیّضات کس کے پاس ہیں ۔ المفید مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کی ریسرچ اینڈ پبلیکیشن کمیٹی کی طرف سے زنکو پریس میں شائع ہوئی ہے ۔ مذکورہ کمیٹی کا بہت بڑا علمی احسان ہوگا اگر وہ مرحوم کے غیر مطبوعہ علمی سرمائے خصوصاً ضخیم لغت کو جلد شائع کرا دے ۔ اردو سے عربی میں ترجمہ کرنے والے طلبہ کے لیے اس سے بہتر تحفت کوئی نہ ہوگا ۔

مرحوم کی علمی کاوش کا یہ حال تھا کہ ۱۹۴۱ء میں بنگلور جاتے ہوئے میں نے انھیں کلکتے کے پتے سے تار دیا ۔ اس وقت وہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں پروفیسر تھے ۔ وہ اسٹیشن پر آئے اور مجھے اپنے ہاں لے گئے ۔ مجھے دن بھر ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا اور کلکتہ جیسے مٹھائیوں اور مچھلیوں کے شہر میں مجھے ان کے یہاں صرف ایک عدد مکھی نظر آئی ۔ اس کو اُڑا کر کاشغری صاحب مختلف آوازوں پر گفتگو کرنے لگے ۔ پھر انھوں نے مجھے اپنا ایک مسوّدہ دکھایا جو بعد میں وہاں کے ایک مجلہ میں شائع ہوا ۔ اس مسوّدے میں صرف ایک لفظ پر تحقیقات کا انبار لگا ہوا تھا ۔ وہ لفظ تھا "آواز"۔ ہر قسم کی آواز کے لیے انھوں نے الگ الگ لفظ مع استشہادات لکھا تھا ۔ مکھی کی آواز، تلوار ٹکرانے کی آواز، ہاتھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھوڑے، گدھے اور اونٹ، کتے، بلی، بندر، مرغی، کوے کی آوازیں مختلف قسم کی۔ غرض جمادات، نباتات اور حیوانات کی سینکڑوں آوازوں کے لیے عربی الفاظ یک جا کر دیے تھے۔

اس کے بعد ۴۶ء کے آغاز میں دوبارہ ان سے کلکتہ میں ملاقات ہوئی۔ جناب سہروردی صاحب مرحوم (جو اس وقت متحدہ بنگال کے وزیر اعظم تھے) کی صدارت میں ایک عظیم الشان جلسہ تھا جس میں مجھے خاص طور پر تقریر کے لیے ڈھاکے سے بلایا گیا تھا۔ میری تقریر میں مرحوم کاشغری صاحب بھی موجود تھے۔ حاضرین کے ساتھ یہ بھی بار بار نعرہ ہائے تکبیر و تحسین بلند کرتے رہے۔ میری تقریر کا موضوع تھا "پاکستان کا قیام مسلمانوں کے لیے کیوں ضروری ہے؟" بعد میں علامہ کاشغری نے بتایا کہ: "مجھے آپ کی تقریر کے ایک ایک لفظ سے اتفاق ہے اور بخدا میں پانچوں وقت کی نمازوں کے بعد قائد اعظم کے لیے دعا کرتا ہوں"۔ اس وقت کاشغری صاحب کے سیاسی رجحان اور دلی خلوص کا صحیح اندازہ ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد یہ کلکتہ سے ڈھاکہ چلے آئے جہاں نئے مدرسۂ عالیہ کی بنیاد پڑی اور یہ وہاں کے پروفیسر ہونے کے علاوہ بورڈنگ ہاؤس کے نگران بھی مقرر ہوئے۔ اور یہیں اپنی بقیہ عمر بسر کردی۔ لیکن ان سارے انقلابات سے دوچار ہونے کے باوجود اپنی لگن اور لغوی تحقیق کی دھن میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ ان کی محنت شاقہ نے دن اور رات میں کوئی فرق نہ رکھا اور ہر خالی وقت میں کتابوں کا کیڑا بنے رہے۔ سال بھر مسلسل روزہ رکھنے سے ان کی صحت پر جو اثر پڑا وہ الگ ہے۔ عرق ریزی اور شدید محنت نے ان کی صحت پر اور زیادہ خراب اثر ڈالا۔ لیکن اپنی دھن کے اتنے پکے تھے کہ اپنے کام میں کبھی فرق نہ آنے دیا۔

ان کی ایک خوبی میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ ان کو اپنی جوانی سے یا ان کے شباب کو ان سے کوئی شکایت کا موقع نہیں ملا۔ زبانی تفریحی باتیں تو سبھی کرتے ہیں لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے اگر میں مرحوم کی عصمت و تقویٰ کی قسم کھاؤں تو حانث نہ ہوں گا۔ بے راہ روی کی طرف ان کا کوئی رجحان ہی نہ تھا۔ وہ ساری عمر مجرد رہے۔ کوئی شادی نہ کی حالانکہ انھیں بڑی آسانی سے رشتہ مل سکتا تھا اور وہ کفالت کی پوری مالی صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ ہمیشہ ازدواجی زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بسر کرنے سے گریزاں رہے - دراصل وہ کتابوں اور لغوی تحقیق سے اپنا نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم کر چکے تھے اور کسی دوسرے رشتے کا اس رشتے میں خلل انداز ہونا پسند نہ کرتے تھے - وہ تالیفات ہی کو اپنی اولاد کی حیثیت سے چھوڑ گئے - انھیں مال و دولت کا لالچ تھا نہ ہوس - وہ قانع تھے اور اپنی کمائی سے بہت سے مستحقین کی امداد بھی کرتے تھے -

وہ روشن خیال عالم بھی تھے اور "پکے" مسلمان بھی - کلکتہ میں وہ ایک مذہبی جماعت سے ظاہری اطوار سے بڑے متاثر ہوئے لیکن ڈھاکہ آ کر جب مالیاتی بے راہ روی دیکھی تو متنفر ہو گئے - پھر ایک دوسری دینی جماعت کی طرف رجحان ہونے لگا لیکن اس کی تنگدلی اور تعصّب دیکھ کر اس سے بھی متنفر ہو گئے لیکن "پکے" پاکستانی مسلمان ہونے میں کبھی فرق نہ آیا -

مولانا عبید اللہ ازہری قادری کا جو مقدمہ المفید کے شروع میں ہے (جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) اس کے آخر میں انہوں نے چند نام ایسے دیے ہیں جنھوں نے علامہ کاشغری کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے - وہ اسمائے گرامی یہ ہیں :

۱ - علاّمہ ڈاکٹر اقبال ؒ ، ۲ - مولانا حفیظ اللہ سابق پرنسپل ندوۃ العلما ، ۳ - مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی ، ۴ - مولانا شاہ سلیمان پھلواروی ، ۵ - مولانا سید سلیمان ندوی ، ۶ - مولانا عبدالحلیم صدیقی ، ۷ - مولانا عبدالعزیز میمنی -

اور لوگوں کی تحریریں تو میرے سامنے نہیں لیکن مولانا شاہ سلیمان ؒ پھلواروی کی ایک تحریر کا عکس موجود ہے جو "خاتم سلیمانی" (مرتبہ مولانا شاہ غلام حسین ندوی) کے حصّہ اوّل میں شائع ہوا ہے - اس سے ایک تو یہ اندازہ ہو گا کہ حضرت پھلواروی انھیں کن الفاظ سے یاد کرتے ہیں - دوسرے یہ بھی معلوم ہو گا کہ علامہ کاشغری کو صرف لغوی تحقیق ہی کی پیاس نہ تھی بلکہ اجازۂ حدیث کے حصول کو بھی اپنے لیے باعثِ برکت سمجھتے تھے - اس عکسی تحریر کے الفاظ یوں ہیں :

اللھم صل علی محمد و الہ ، وبعد فاجزت الفاضل الادیب
البارع المولوی عبد الرحمٰن الکاشغری بجمیع ما فی ھذا الثبت
وبجمیع مرویاتی عن شیوخنا فی المعقول والمنقول لاسیما فی
کتب الاحادیث ، الصحاح والسنن والمسانید والمعاجم - فلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان یمعن النظر فیھا و یدرس و یعلم الطلبۃ باخلاص النیۃ وطلب الرضا من اللہ الکریم - و ان نشر العلوم الدینیۃ .... حادنا و النواضع والخشیہ دثارنا - والاسانید منضبطۃ فی ثبتی فلہ ان یطالعھا -

وانا العبد الحقیر محمد سلیمان

القادری الچشتی الہاشمی الپھلواروی

کان اللہ لہ

علامہ کاشغری یوں تو شروع ہی سے بے تکلف اور سادہ زندگی کے عادی تھے لیکن کلکتہ آنے کے بعد ان میں فقر و درویشی کی طرف خاصا میلان ہو گیا تھا - خود مجھ سے انھوں نے اپنے بعض اشغال اور واردات کا ذکر کلکتے ہی میں کیا تھا لیکن وہ یہ باتیں عام لوگوں سے نہیں کرتے تھے - فقہی مسلک میں وہ موروثی طور پر حنفی تھے لیکن بڑے وسیع المشرب اور باہمہ قسم کے انسان تھے - ۴۷ء میں جناب شاہ محمد فاروق صاحب (ڈھاکہ) نے مجھے اپنی خانقاہ میں بیانِ سیرت و میلاد کرنے اور قوالی سننے کی دعوت دی تو میں نے دیکھا کہ مولانا کاشغری بھی اس دعوت پر آئے ہوئے ہیں - مولانا محمد شفیع فرنگی محلی بھی موجود ہیں - اور بہت سے صوفی مشرب ادبا و شعرا بھی تشریف رکھتے ہیں - بیانِ سیرت کے بعد قوالی شروع ہوتی تو علامہ کاشغری صرف بیٹھے ہی نہیں رہے بلکہ بار بار میرے آگے قوالوں کے لیے روپے بھی بڑھاتے رہے - انھیں موسیقی کا بھی ذوق تھا اور لکھنؤ میں ایک استاد سے انھوں نے ہارمونیم بجانا بھی سیکھ لیا تھا - لیکن کلکتہ جانے کے بعد انھیں ادھر توجہ دینے کی فرصت ہی نہ رہی -

---

© rasailojaraid.com